 

23-12-2017

قومی سیرت کانفرنس کا موضوع

مفتی منیب الرحمٰن

اس سال قومی سیرت کانفرنس کا موضوع ''تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں قیادت کا معیار'' تھا۔ میں بیرونِ ملک اپنی مصروفیات کی وجہ سے دعوت کے باوجود شرکت کی سعادت حاصل نہ کرسکا، تاہم اس کالم کے ذریعے چند گزارشات پیش کررہا ہوں:

(۱) قول وفعل میں مطابقت: جمہوری نظام میں آئینی وقانونی اعتبار سے پارلیمنٹ میں عددی اکثریت کا حصول قیادت کا معیار ہے، لیکن اسلام میں اخلاقی برتری کے بغیر کسی رہنما کو حقیقی احترام نہیں ملتا، اس کے لیے قول وفعل میں مطابقت ضروری ہے، قول وفعل میں تضاد رہنما کو لوگوں کی نظروں سے گرادیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو، جن پر تم خود عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہیں کرتے ہو، (الصف:3-2)''۔ علمائے بنی اسرائیل کی اسی خرابی کو قرآنِ مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: (1) ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کردیتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو (یہ شعار اللہ کو ناپسند ہے)، (البقرہ:44)۔ (2) ''پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں، (البقرہ:79)''۔

(۲) قومی مناصب کے لیے اہلیت کو معیار بنایا جائے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تمہیں کیسی عمدہ نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے، (النساء:58)''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (1) ''جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، سائل نے عرض کیا: یارسول اللہ! امانت کیسے ضائع ہوتی ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: جب زمام اقتدار نااہل کو تفویض کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، (بخاری 6496)''۔ (2) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی (نااہل) کو قوم پر عامل بنایا، جبکہ اس قوم میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ راضی کرنے والا شخص موجود ہے، تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں سے خیانت کی، (المستدرک 7023)''۔ (3) ''جب قومی خزانے کو ذاتی جاگیر سمجھ لیا جائے، قومی امانتوں کو مالِ غنیمت سمجھ لیا جائے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے، دین کا علم دنیاوی مقاصد کے لیے حاصل کیا جائے، ایک شخص بیوی کا فرمانبردار اور ماں کا نافرمان ہوجائے، ایک شخص دوست کو قریب اور باپ کو دور کردے، مسجدوں میں شور وغوغا ہونے لگے، قبیلے کا سردار بدکردار شخص بن جائے اور قومی رہنمائی کمینے لوگوں کے ہاتھ میں آجائے، کسی شخص کی عزت اس کے خوف کی بناء پر کی جائے، آلاتِ موسیقی اور مغنیات کا دور دورہ ہوجائے، شراب نوشی عام ہوجائے، اس اُمت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں (تو اچھے دنوں کی تمنا عبث

ہے)، پس ایسے عالم میں سرخ ہوائیں چلیں گی، زلزلے آئیں گے، زمین میں دھنسا دیے جاؤ گے، صورتیں بگاڑی جائیں گی، تہمتیں لگائی جائیں گی اور اُس ٹوٹی ہوئی لڑی کی طرح جس کے دانے ایک ایک کر کے گرے جا رہے ہوں، پے در پے علامات ظاہر ہوں گی، (سنن ترمذی:2218)''۔صورتیں مسخ ہونے کے ایک معنی یہ ہیں کہ جیسے بنی اسرائیل کو اُن کی سرکشی کی بناء پر بندر اور خنزیر بنا دیا گیا اور ایک معنی یہ ہیں کہ ملّت اقوام عالم کے سامنے بے توقیر ہو جائے، جیسے ڈیڑھ ارب مسلمان اسّی لاکھ کی آبادی پر مشتمل اسرائیل کے سامنے بے توقیر اور بے بس ہیں۔اس کا واضح سبب یہ ہے کہ ستاون مسلم ممالک میں قیادت پر فائز لوگ دینی و ملّی حمیت سے عاری اور پست ہمت ہیں۔

(3) قائد کا کردار مثالی ہونا چاہیے: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین اشخاص نبی ﷺ کی عبادت کے احوال معلوم کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے پاس حاضر ہوئے، پھر جب اُن کو (آپ ﷺ کی عبادت کے معمولات) بتائے گئے، تو گویا انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ کی ذات گرامی، آپ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے (دنیا ہی میں) مغفرت کُلّی کی قطعی سند عطا فرمادی ہے۔اُن میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ پوری رات نوافل پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔اس دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتیں کیں (یعنی تقویٰ کے من پسند معیارات وضع کیے)، تو سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں اور مجھ میں اللہ کی خشیت سب سے زیادہ ہے، لیکن میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، (راتوں کو) نوافل پڑھتا بھی ہوں اور (کچھ دیر کے لیے) سو بھی جاتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں، سو جس نے (تقوے کا مَن پسند معیار وضع کر کے) میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرے (پسندیدہ) طریقے پر نہیں ہے، (بخاری:5063)''۔اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ کمالِ تقویٰ رہبانیت اور ترکِ دنیا میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں رہتے ہوئے اَخلاق و کردار کی آلودگیوں سے اپنا دامن پاک رکھنے اور سب کے حقوق ادا کرنے میں ہے۔ظاہر ہے کہ ایسی مثالی اور معیاری زندگی گزارنا پلِ صراط پر چلنے کے مترادف ہے، جو خدا ترس لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

(4) حضرت موسیٰ و یوسف علیہما السلام کے حوالے سے قیادت کے چار معیار: (1) ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا: ''اے ابا جان! آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجیے، بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے، اُن میں سے بہترین وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو، (القصص:26)''۔(2) حضرت یوسف علیہ السلام کی جب دربار تک رسائی ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردیں، کیونکہ میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں (کہ کس سے لیا جائے اور کس کو دیا جائے)، (یوسف:55)''۔

(5) مشاورت کا شِعار: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور (درپیش) معاملے میں اِن (صحابہ) سے مشورہ کیجیے، پھر جب آپ (کسی بات کا) عزم کرلیں، تو اللہ پر توکل کیجیے، (آل عمران:159)''۔غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے اس امر پر صحابۂ کرام سے مشاورت کی کہ مدینے میں رہ کر دفاع کیا جائے یا آگے بڑھ کر کفار سے مقابلہ کیا جائے، آپ کی اپنی ترجیح یہ تھی کہ مدینے میں رہ کر ہی دفاع کیا جائے، لیکن بعض پرجوش نوجوان صحابہ کرام نے جن کے دل جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے لبریز تھے، آگے بڑھ کر

مقابلہ کرنے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور اس دوران حضرت سعد بن مُعاذ اور اُسید بن حُضیر نے لوگوں کو متوجہ کیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی رائے کے مقابل اپنی رائے پر اصرار کرکے غلطی کی، کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، معاملہ اللہ کے رسول پر چھوڑ دو۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ مسلّح ہوکر باہر تشریف لائے تو صحابۂ کرام نے اظہارِ ندامت کیا اور اپنی رائے واپس لینا چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نبی جب ہتھیار بند ہوجائے، پھر وہ ہتھیار نہیں اتارتا یہاں تک کہ اللہ اُس کے اور اُس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمادے، (سُبُلُ الْھُدیٰ وَالرَّشَاد، ج:4،ص186)''۔

(6) انداز گفتار: آپ ﷺ کا انداز گفتار باوقار تھا، آپ کی گفتار تکلّف و تصنُّع اور فُحش کلامی سے پاک تھی۔ قرآن کریم میں ہے: ''آپ کہیے: میں تم سے اس (دعوت حق) پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلّف کرنے والوں میں سے ہوں، (ص:86)''۔ حدیث پاک میں ہے (1): ''نبی ﷺ (اپنی پاکیزہ فطرت کے سبب) نہ تو فُحش کلامی فرماتے اور نہ ہی اپنے آپ کو اس پر آمادہ کرتے تھے اور فرماتے: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، (بخاری3559)''۔ (2)''رسول اللہ ﷺ کا انداز کلام ایسا (ٹھہراؤ والا) تھا کہ ایک ایک لفظ جدا ہوتا اور جو بھی اُسے سنتا پورا مفہوم اس کی سمجھ میں آجاتا، (ابوداؤد:4839)''۔ آپ کے کلام کے تاثرات آپ کے چہرۂ انور سے بھی محسوس ہوتے، جسے آج کل باڈی لینگویج کہا جاتا ہے۔

(7) صادق القول: رہنما کو صادق القول ہونا چاہیے تاکہ لوگوں کو اُن پر پورا پورا اعتبار ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ دعوت توحید کا پیغام عام دینے کے لیے کوہ صفا پر چڑھے اور قوم کو پکارتے ہوئے فرمایا: بتاؤ کہ اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے، تو کیا تم سب میری تصدیق کروگے؟، سب نے کہا: ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، اس لئے ہم آپ کی تصدیق کریں گے، (بخاری4972)''۔ اسی طرح قیصر نے اُس وقت کے دشمنِ رسول ابوسفیان سے پوچھا: کیا اُس مدعیِ نبوت نے کبھی جھوٹ بولا ہے یا وعدہ خلافی کی ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، (بخاری:7، ملخصاً)''۔

(8) بقدرِ ضرورت کلام: رہنما کو منہ پھٹ اور بسیار گو نہیں ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھی بات کہو یا خاموش رہو، (بخاری6018)''۔ ''رسول اللہ ﷺ نے کم الفاظ میں جامع بات کہنے کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر اپنے وجوہ فضیلت میں سے ایک قرار دیا، (مسلم:523)''۔

(9) شفاف عدل: عدل جب بھی پسند و ناپسند کی بنیاد پر ہوگا، ظلم کو جنم دے گا، اللہ تعالیٰ نے بلا امتیاز عدل کا حکم فرمایا: ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر نہ ابھارے، عدل کرو، یہ شعارِ تقویٰ کے قریب ترین ہے، (مائدہ:5)'' (2): ''اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ (کی رضا) کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ یہ (گواہی) تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو، (النساء:135)''۔

(روزنامہ دنیا، 23 دسمبر 2017ء)